

دن گزر نے لگئے، پورا ایک مہینہ گزر چکیا، مگر منشی جمادہ لوٹے۔ کوئی خط بھی نہ ہمچوڑا۔
نر ملا کو اب روز سپتی تر دوستا تھا کہ وہ لوٹ کر نہ کرنا آئے تو کیا ہو چاہا؟ اسے اس کی نکر
نہ ہوتی تھی کہ ان پر کیا بہت رہی ہوگی، اور کہاں مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ ان کی محنت
کیسی ہوگی؟ اسے صرف اپنی ماوراء سے چھوڑ دیا دی پی کی نکر کھی۔ خیرستی کیسے چلے گی؟ ایشور
کسے پڑا پار لگا دیں گے؟ جی کی کیا حالت ہو گی؟

اس نے کاش چھانٹ کر کے جبر و پیجع کئے تھے اس میں ہر روز کچھ نہ کچھ کی ہوتی جاتی
تھی۔ نر ملا کو اس بھی سے ایک ایک میسیہ نکالنا اس قدر کھتنا تھا کہ یا کوئی اس کے
ہدف سے خون کھال رہا ہو جنم جھلا کر منشی جی کو کوستی۔ لڑکی کسی چیز کے لیے روشنی تو اسے کہخت
منہوس وغیرہ کہہ کر ڈانٹ دتی۔ یہی نہیں، رکمنی کا گھر میں رہنا بھی ناگوار تھا کہ یا وہ اس کی گردکے
پر سوار ہے۔ جب دل جلتا ہے تو الفاظ بھی جلطے کے نکلتے ہیں۔ نر ملا ٹبری شیر میں ربان ہورت
تھی۔ مگر اب اس کا شمار بدزہان عورتوں میں کیا جا سکتا تھا۔ تمام دن اس کے منہ سے
سخت پائیں تکلا کرتیں۔ اس کے الفاظ کی نرمی نہ جانے کیا ہو گئی تھی، مزادج میں بہ دباری
تھی، مگر یہ ہر وقت کی تکبوا اس اس سے بھی برداشت ہو سکتی۔ ایک روز اس نے بھی ٹھہری
راہ لی دیہاں کیک کہ جس بھی گودہ مان سے غریب رہتی تھی اس کی صورت سے بھی نظرت ہو گئی
بات ہات پر جھٹک دئی، کبھی کبھی مارنے پڑتی۔ رکمنی روتنی ہوئی لڑکی کو گودیں اٹھا لیتی اور لاؤ
پیار کر کے چپ کرتی۔ اس نے کس کے لیے اب بھی ایک سہارا رہ گیا تھا؟

نر ملا کو اب اگر کچھ اچھا لگتا تھا تو سدھا سے ہاتیں کرنا۔ وہ وہاں جلنے کا موقع تلاش
کرتی رہتی تھی۔ بھی کو اب وہ اپنے ساتھ نہ لے جانا چاہتی تھی۔ پہلے جب بھی کو اپنے گھر بیس
سجی چیزوں کھانے کو ملتی تھیں تو وہ وہاں جا کر منہشی کھلینتی تھی۔ اب وہاں جا کر اسے
بھوس لگتی تھی۔ نر ملا اسے گھور گھور کر دکھتی مٹھیاں پاندھ کر دھمکاں مگر لڑکی بھوس کی
رہ لگانہ نہ چھوڑتی تھی۔ اسی لیے نر ملا اب اسے ساتھ نہ لے جاتی تھی۔ سدھا کے پاس
بیٹھ کر اسے معلوم ہوتا تھا کہ میں آدمی ہوں۔ اتنی دیر کے لیے اس نے نظرات سنجاتا میں
چاتی تھی جیسے شرابی کو شراب کے نثرہ میں بے نکر کی ہوتی ہے اسی طرح نر ملا سدھا کے
گھر جا کر مطمئن ہر جاتی۔ اس کے مزادج میں تدبی نظر آتی۔ بدزہان ہورت دیہاں اگر
حلادت اور خوش گفتاری کا مجسمہ بن جاتی تھی۔ شہاب کی قدرتی نکتہ میں وہاں گھر میں
راسٹے بند پا کر دیہاں سمجھ کر ہو جاتی تھیں۔ دو دیہاں اپنالپھر را بنا دی سچکار کر کے آتی اور
حتی الامکان اپنے رنگ دعماں کو اپنے دل اسی میں رکھتی۔ دیہاں دو دل کے لیے یہیں ہنسنے کے لیے

آتی تھی۔

غمز شاید اس کے نصیب میں یہ سکھ بھی نہیں بداتھا۔ نر ملا محوٹا و پھر یا تمیسرے سہر میں سہھ کے گھر جایا کرتی تھی۔ ایک روز اس کاجی اس قدر گھر بیا کہ سورجے ہی جگہی سہھ دیا نہ لائے گئی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اسپتال جانے کے لیے کپڑے پہن رہے تھے مہری اپنے کام دھوئے میں گلی ہوئی تھی۔ نر ملا اپنی سکھی کے کمرے میں جا کر فرا فت سے بیٹھ گئی۔ اس نے سمجھا سدھا کوئی کام کر رہی ہوگی۔ اور ابھی آتی ہو گی جب شیخے مجھے دو ہیں منٹ عجز کے تو اس نے الماری سے تصاویر کی ایک کتاب اتاری۔ اور بال کھوئے ہوئے پنک بید بین کر تصویریں دیکھنے لگی۔ اسی اشنا میں ڈاکٹر صاحب کو فرور نما نر ملا کے کمرے میں آتا پڑھنیدیں ہیں کہ تلاش کر رہے تھے۔ بید ہڑک اندر پلے آئے۔ نر ملا دروازے کی طرف بال کھوئے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی ایک دم اٹھ بھی اور سر کو ڈھانکتی ہوئی پنک سے اتر کر شیخے کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لوٹتے ہوئے جتنے کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ معاف کر ناما ملا، مجھے معلوم نہ تھا کہ تم یہاں ہو۔ میری عینک میرے میں کمرے میں نہیں مل رہی ہے، نہ جانے کہاں اتار کھو دی تھی۔ میں لے سمجھا کہ عینک یہاں ہو۔

نر ملانے پنک کے سرہانے والے طاق پر نگاہ ڈالی تو عینک کا خانہ دکھانی پڑا۔ اس نے آگے بڑھ کر خانہ اتار دیا۔ اور سر جھکانے بدن سمیٹ۔ شرم سے منہ پھیرے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے نر ملا کو دو ایک بار پیشہ بھی دیکھا تھا اسی سے اس وقت کے سے ارادے کبھی ان کے دل میں نہ پیدا ہوئے تھے جس آگ کو بر سوں سے دل میں دیا ہوئے تھے، وہ آج مہرا کا جھونکا پا کر بھڑک اکھی۔ انھوں نے عینک لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ کانپ رہا تھا۔ عینک لے کر کبھی وہ ہاتھ نہ گستاخ۔ وہیں ساکت سے کھڑے رہے۔ نر ملانے اس تھیانی سے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ سدھا کہیں کئی ہیں کیا؟“ ڈاکٹر صاحب نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا؟“ ہاں ذرا نہ لائے گئی ہیں۔“

پھر بھی ڈاکٹر صاحب ہاتھ کے اوہیں کھڑے رہے۔ نر ملانے پھر پوچھ لکب آؤ بیں گی؟“ ڈاکٹر نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ آتی ہیں ہوں گی؟“

پھر بھی وہ باہر نہ گئے۔ ان کے دل میں سخت تلاطم ہو رہا تھا۔ اخلاص رکاوٹ نہیں بلکہ کہ تمہیں کہا تھا ان کی زبان کو باندھے ہوئے تھا۔

نر ملانے پھر کیا ایکہیں گھومنے لگی ہوں گی، میں بھی اس وقت جاتی ہوں۔“

کم سنتی کا کچا دھماکا بھی لٹٹ گیا وہیا کی ساصلی بلند یوں پر پیٹ کر بجا گئی ہوں اونچ

میں غیر معمولی طاقت آجاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سراطلہا کرنے والا کو دیکھا اور نہایت بہت آہنیز کچھ میں کہا۔ نہیں مزملاء، اب آتی ہی ہوں گی۔ کچھی نہ جاؤ۔ ردِ سدھا کی خاطر سے مجھ تھی ہو تو آج میری خاطر سے میغیو۔ بتاؤ کب تک اس آگ میں جلا کروں یہ کہتا ہوں نہ لاد۔“ نر ملا نے آگے کچھ دستا، اسے ایسا معلوم ہوا گویا ساری زمین چکر کھارہی چھو سکی جان پر نزاروں بجلیاں گر رہی ہیں۔ اس نے جلدی سے اکلنی پر نکلتی ہوئی چار راتاری اور بیرونہ کے ایک لفڑا نکالے کمرے کے پاہر ٹھل گئی۔ ڈاکٹر صاحب کھیانے سے ہوئے بعداً صورت پنا ہے کھڑے رہ گئے اسے روکنے کیا اور کچھ کہنے کی بہت نہ پڑی۔

نر ملا جو نہیں دروازے پر سپھپی کہ اس نے سدھا کو تانگے سے اترنے دیکھا۔ سدھا سے دیکھتے ہی جلدی سے اتر کر اس کی طرف دوڑی اور کچھ کہنا جاتی تھی، مگر نر ملانے اس کو موقع زدیا وہ تیر کی طرح تیزی سے چل گئی۔ سدھا ایک لمحے تک متین کھڑی رہی۔ وہ کچھ دیکھو سکی کہ ہات کیا ہے۔ وہ کھڑا اٹھی۔ جلد اندر گئی۔ اور صہری سے بوجھا کر کیا ہات ہوئی۔ اسے عسوں ہوا کہ کہیں صہری یا کسی نوکرنے اس کو کوئی تو بین آہنیز بات کہہ دی ہے۔ وہ مجرم کا چہ لکانے گی اور اس کو کھڑے کھڑے نکال دے گی۔ دوڑی ہوئی وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اندر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر کو سر جھکائے پنگ پہ میخیے دیکھا۔ پڑھا؟ نر ملا سہیاں آتی تھیں؟“ ڈاکٹر نے سرکھاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں آئی تھیں۔“

سدھا: ”کسی صہری نے انھیں کچھ تو نہیں دیا؟ مجھ سے بولیں تک نہیں، تیزی سے نکل گئی؟“ ڈاکٹر صاحب کا چہرہ دراں اس ہو گیا اکھا۔ سہیاں تو انھیں کسی نے کچھ نہیں کہا۔“ سدھا: ”کسی نے کچھ کہا ہے، دیکھوں۔“ بوجھتی ہوں نہ۔ ایشور جا تانے کہ پتہ پا جاؤ نگی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گی۔“ ڈاکٹر صاحب سٹ پاکر ہوئے۔ ”میں تو کسی کو کچھ کہتے ہوئے نہیں سنا، تمہیں انھوں نے دیکھا، ہی نہ ہو گا۔“

سدھا: ”یا وہ دیکھا، ہی نہ ہو گا! ان کے سامنے تو میں تانگے سے اتری۔ انھوں نے صہری طرف دیکھا کبھی مگر بولیں کچھ نہیں۔ اس کمرے میں آں تھیں؟“

ڈاکٹر کی روح فنا ہوئی جاتی تھی، تک پیٹ نے ہوئے بوئے۔ آں کیوں نہیں تھیں؟“ سدھا: ”تمہیں سہیاں بیٹھا دیکھ کر مل پکی ہوں گی۔ لیکن کسی صہری کے کچھ کہدا یا ہو گدی پیڑ ذات ہیں نہ، کسی کو بات کرنے کی تحریز تو ہے نہیں۔ ارہی اور سندھیا، ذرا سہیاں تو آنا!“ ڈاکٹر: ”اسے کیوں بلاں ہو؟ وہ سہیاں سیدھے دروازے کی طرف گئی، صہریوں سے تو

بات تک نہیں ہوئی۔“

سردھا: تو کچھ تمہیں نے کچھ کہہ دیا ہو گا۔“

ڈاکٹر صاحب کا دھڑکنے لگا، بولے: ”میں سمجھ لاؤں یا کہہ دینا، کیا گنوار ہوں یا۔“

سردھا: تم نے اسے آتے دیکھا تب بھی مشتعل رہ گئے۔“

ڈاکٹر: میں بھاہ سجاہی نہیں۔ ہمارے سے میں عینک ڈھونڈتا رہا۔ جب وہاں نہ ملی تو میں نے سوچا کہ شاید اندر ہو۔ سیاہ آلات تو انھیں مشتعل دیکھا ہے۔ باہر جانا چاہتا تھا کہ انھوں نے خود ہی پوچھا ہے کسی چیز کی ضرورت ہے؟“

”میں نے کھاڑا دیکھنا، بیاں میری عینک تو نہیں ہے اسی سرمانے والے طاق برخی۔ انھوں نے اٹھا کر دے دی۔ میں اتنی ہی بات ہوئی۔“

سردھا: ”یہ تمہیں عینک دیتے ہی کا وہ جھلانی ہوئی ہاہر جانی گئی۔“

ڈاکٹر: ”جھلانی ہوئی تو نہیں چل گئیں۔ جوانے لگیں تو میں نے کہا، مشتعل، وہ آتی ہو گی۔“

”مشتعل تو میں کیا گرتا ہو؟“

سردھا: کچھ سورج کر کھا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں ذرا ان کے پاس جاتی ہوں دیکھوں کیا بات ہے۔“

ڈاکٹر: ”لہلپی جانا، ایسی جلدی کیا ہے؟ سارا دون تو روپڑا ہوا ہے۔“

سردھا: تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی نر ملا کے گھر کی طرف چلی اور پانچ منٹ بیٹھنے لگی۔ دیکھا تو نر ملا اپنے کمرے میں پنگ پڑی رور ہی تھی۔ اندھی اس کے پاس کھڑی بوجھ رہی تھی۔ آتاں! کیوں لوٹی ہو؟ سردھا نے لڑکی کو گود میں اٹھالیا۔ اور نر ملا سے بولی۔ ”بہن پچھ بتاؤ، کیا بات ہے؟ میرے سامنے کسی نے تھیں کچھ کہا ہے؟ میں سب سے بوجھ رہی، کرنی کچھ نہیں بیٹھتا۔“ نر ملا: ”نسو پوچھتی ہوئی بولی۔ کسی نے کچھ نہیں بہن! بھلاو یاں مجھے کون کچھ کہتا؟“

سردھا: ”لپھر مجھ سے بولیں کیوں نہیں اور آتے ہی روئے لگیں؟“

نر ملا: ”اپنے فیضیوں کو روئی ہوں اور کیا؟“

سردھا: ”تم بوس رہتا وگی۔ تو میں قسم رکھا دوں گی۔“

نر ملا: ”قسم نہ رکھانا بھی! مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا، جھوٹ کیسے لگادوں؟“

سردھا: ”کھاؤ میری قسم!“

نر ملا: ”تم تا حق فسد کرتی ہو۔“

سردھا: ”اگر تم نے نہ بتلایا! تو میں سمجھوں گی کہ تمہیں مجھ سے ذرا بھی بحث نہیں ہے۔ بس

سب زبانِ جمع خرچ ہے۔ میں تم سے کسی بات کا پردہ نہیں رکھتی اور تم مجھے فیر سمجھتی ہوئے جم
بند بڑا بھروسہ اتنا، اب جان گئی کہ کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔“

سدھا آبدیدہ ہو گئی۔ اس نے بچی کو گود میں سے اتار دیا اور دروازے کی طرف ملی
نرملانے اٹھ کر اس کا اٹھ پکڑ لیا۔ اور روتوی ہوئی۔ ”سدھا! میں تھا رے پیر وہ بھرتی
ہوں، اپنے سون کر رنج ہو گا اور شاید میں پھر اپنا منہ زد کھا سکوں۔ میں اجھاں
نہ ہوتی تو یہ دن ہی کیوں دمکھتی؟ اب تو ایشور سے کہی بنتی ہے کہ وہ اس دنیا سے مجھے اٹھائیں۔
ابھی یہ درگت ہو رہی ہے تو آگے نہ جانے کیا ہو گلا۔“

ان الفاظ میں جو اشارہ اختادہ فرم سدھا سے بخوبی نہ رہ سکا۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر صاحب
نے کچھ جھیڑ چھاڑ کی ہے۔ ان کا سمجھ کرنے کے لئے باتیں کرنا اور اس کے سوالوں کو مٹاانا۔ ان کا وہ
اداس اور بدرنگ چھپہ یاد آگیا۔ وہ سر سے پیڑتک کانپ آگی۔ اور بلا کچھ کہنے سے شہری کی طرح
غفتہ میں بھری ہوئی دروازے کی طرف چلی۔ نرملانے اسے روکنا چاہا لگر دوکھ سکی۔ دیکھتے
دیکھتے وہ سڑک پر چاہی اور گھر کی طرف چل دی۔ تب نرملانے نے مکھ پر شیخوگئی اور بچھٹ
پھوٹ کر رونے لگی۔

(۲۴)

نرملانام دن پلنگ پر ٹڑی رہی۔ معلوم ہوتا ہے، اس کے بدن میں جان ہی نہیں ہے۔
نہ نہایا اور نہ کھانا کھانے کے لیے آٹھی۔ شام کو اسے بخار سے گیا۔ تمام رات بدن قرے کی طرح ہتھا رہا۔
دوسرے روز نہ بھی بخار نہ اترتا، البتہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ وہ پلنگ پر لبٹی ہوئی۔ ملٹکی ماندھیدر علاقہ
کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چاروں طرف سونا سخانا نہ رکھی سونا۔ اور باہر کھی سونا۔ نہ کوئی غلطی
نہ کچھ بیار، نہ کسی قسم کھارج نہ تھا۔ دماغ میں احساس کی قوت ہی باقی نہ رہی تھی۔

دفتارِ کمنی بچی کو گو دیں لیے آگر کھڑی ہو گئی۔ نرملانے پوچھا گیا یہ بہت روئی تھی؛“
رکمنی؟ نہیں، یہ تو بول تک نہیں۔ رات بھر چپ پاپ پڑی رہی۔ سدھا نے تھوڑا دودھ

بھیج دیا تھا، وہی بلادِ یا تھا۔“

نرملہ؟ اہمیرن دودھ نہ دے گئی تھی؟“

رکمنی؟ کہتی تھی کہ کچھ پیسے دید تو دودھ دوں۔ کہتا راجی اب کیسا ہے؟“

نرملہ؟ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ مل بدی کچھ گرم ہو گیا تھا۔“

رکمنی؟ ڈاکٹر صاحب کا تو میرا حال ہو گیا۔“

نر ملانے گھر اکر پوچھا۔ کیا ہوا؟ سب خیر پت ہے نہ؟"

رُمکنی؟ خیر پت ہے کہ لاش اٹھانے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ کونی گہنا ہے، زہر کھالی۔
کوئی گہتا ہے دل کی چال بند ہو گئی۔ بھگوان جانے کیا ہوا۔"

نر ملانے ایک شخصی سانس لی اور روندھے ہوئے گلے سے بولی: "ہائے ایشور، ہو ہا
کی کیا حالت ہرگی؟ وہ کیسے جئے گی؟"

یہ گفتے ہوئے وہ روپڑی دیرنگ سکتی رہی پھر پنگ سے انر کر سدھا کے پاس
جائے کو تیار ہو گئی۔ پاؤں تھر تھر مانپ رہے تھے۔ دیوار تھامے کھڑی تھی، مگر دل نہ مانا
خواز جانے سدھا نے یہاں سے جا کر خود کو کیا کہا؟ میں نے اس کو کچھ کہا بھی نہیں، نہ جانے میری
باتوں کا وہ کیا طلب تھی؟ ہائے ایسے شکل دصورت دلتے، ایسے مہربان، ایسے نیک شخص
کا یہ حال! اگر نر ملا کو معلوم ہوتا کہ اس کے غصے میں یہ برت ناک تبدیل ہو گا۔ تو زہر کا گھونٹ
پنی کر کجھی اس بات کو سنبھالیں اڑادتی۔

یہ سوچ کر میری بھائیے دردی کے سبب ڈاکٹر صاحب کا یہ مال ہوا۔ نر ملا کا دل پاش
پاش ہو گیا۔ اسی تکلیف ہوئی گویا دل میں شدید کادرد ہو رہا ہو۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے کھڑے پر۔
لاش اٹھ چکی تھی۔ باہر سنا تاچھا بیا ہو تھا۔ گھر میں عورتیں جمع تھیں۔ سدھا ز میں برد بھی
رود ہی تھی۔ نر ملا کو درکھستے ہی وہ مذوز سے چلا کر روپڑی۔ اور آگرا اس کے سینے سے پٹ
گئی۔ دونوں دیرنگ روپی رہیں۔

جب عورتیں مل گئیں تو تمہائیں بھی نر ملانے پوچھا۔ یہ کیا ہو گیا ہیں؟ تم نے کچھ کہہ دیا؟"
سدھا اپنے دل کو ایسے سوال کا جواب آج کتنی ہی بار دے جسکی تھی۔ اس کا دل جس
جواب سے تفصیل پا چکا تھا۔ وہی جواب اس نے نر ملا کو دیا ہے بولی اچپ بھی تو زرہ سکتی تھی،
ہیں غصے کی بات پر غصہ آتا ہی ہے۔

در ملا: "میں نے تو تم سے کوئی ایسی بات سمجھی نہیں کہی تھی۔"

سدھا: "تم کیسے کہتیں۔ کہہ نہیں سکتی تھیں! مگر انھوں نے جو بات ہوئی تھی، کہہ دی ایسی
پر میں نے جو منہ میں آیا کہ۔ جب ایک بات دل میں آگئی تو اسے ہوا ہی سمجھنا چاہتے۔ موقع
لئے تو وہ فرد رہی بوری ہو۔ یہ کہہ سکر کوئی نہیں سکتا کہ میں نے نوہنسی کی تھی۔ تمہائیں میں
ایسا غلط زبان پر لانا ہی کہہ رہتا ہے کہ نیت بُری تھی۔ میں نے تم سے کسمجھی کہا نہیں، نہیں، مگر
میں نے انھیں کئی بار تمہاری طرف تکتے دیکھا دیا اس وقت میں نے بھی یہی سمجھا کہ شاید مجھے
دھوکا ہو رہا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس تاک جھانک کا کیا طلب تھا۔ اگر میں نے دنیا

زیادہ و سمجھی ہوتی تو تمہیں اپنے گھر ز آنے دتی۔ کہہ سے کم تم پر ان کی سماں نہ پڑنے دتی۔ لیکن کیا ہانتی تھی اور مردوں کی زبان پر کچو اور ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے؟ ایشور کی جو منظور سخاونہ ہوا۔ ایسے سماں سے تو میں بدھوا ہونا برا اٹھیں سمجھتی۔ فرب اس امیر سے کہیں نیا وہ سکھی ہے۔ جسے اس کی دولت سانپ بن کر سماٹنے دوڑئے۔ قادر آسان ہے تو گھر ز ہر لالکھانا کھالینا! اس سے بدرجہا مشکل!

(۴۲)

ایک مہینہ گزر گیا۔ سو ماں پنے شوہر کے بجائی کے ساتھ تیرے ہی روز مل گئی۔ اب نہ لڑا تھا تھی۔ پہلے سنہ بول کر دل بہلا لایا کرتی تھی۔ اب صرف رونے سے کام تھا۔ اس کی صحت روزہ روزہ ہول گئی۔ پرانے مکان کا کرایہ زیادہ تھا۔ دوسرا مکان کم کرایہ بھلیا۔ یہ ایک تنگ گلی میں تھا۔ اندر ایک کرہ تھا اور چھوٹا صحن۔ نر و شنی کا گذر تھا جو ہو کر بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ کھانے کا یہ حال کہ پیسے ہوتے تھے اکثر فاٹ گرنا بڑھتا تھا۔ بازار سے لاد کے کون؟ پھر اب گھر میں کوئی مرد نہیں، کوئی گلہرہ نہیں، تو روز کھانا پکانے کی زحمت کون اٹھائے ہوئے توں کے لیے روز کھانے کی ضرورت ہی کیا؟ اگر ایک وقت کھا لیا تو دو دو روز کے لیے فراقت ہل گئی۔ پچھے کے لیے تازہ حلوبہ یار و شیاں میں جاتی تھیں۔ ایسی حالت میں صحت کیوں نہ خراب ہوتی؟ تھکر رنج، تباہی ایک ہوتی ہو تو کہے یہاں تین نیم بلا میں نازل ہوئی تھیں۔ اس پر نہ مدد نے دو اذکار نے کی قسم کھال تھی۔ کرتی ہی میا، تھوڑے سے روپیوں میں دو اگنیجاش کیاں تھیں؛ جہاں کھانے کا لٹکاڑ تھا۔ وہاں دو لکھنے کا ذکر ہی کیا؟ روز بروز خشک ہوتی جا رہی تھی۔ ایک روز رکھنی تے کہا۔ سہہ! اس طرح کسب تنگ گھلائیں گے؟ جان ہے تو جہاں ہے، چلوکسی وید کو رکھا لاوں۔

نر ملانے بے پرواں سے کہا۔ عسے رونے ہی کے لیے جینا ہو اس کا مر جانا ہی بہتر۔
رکن؟ بلانے سے تو موت نہیں آتی۔

نر ملا: موت تو بغیر بلائے آتی ہے، بلانے پر کبھی ز آئے گی۔ اس کے اُنے میں اب بہت درکن گئی گئی، بہن، جتنے روز ملتی ہوں۔ اتنے ہی برس سمجھو لیجئے۔

رکھنی: دل ایسا چھوٹا مت سکر د بھو! ابھی تم نے سنوار کا سکھ ہی کیا دیکھا ہے۔

نر ملا: اگر سنوار کا یہی سکھ ہے۔ جو اتنے دلنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ تو اس سے جی بھر گیا۔ پچ کہتی ہوں بہن۔ اس بھی کامنہ مجھے باندھئے ہوئے ہے۔ ورنہ اب تک بھی کی جی گئی ہوتی۔ نہ جانے اس بچاری کے سماں میں کیا لکھا ہے۔

در نوں موڑتیں ار دنے لگیں۔ ادھر جب سے نر ملانے چار ہائی کپڑی ہے۔ رکنی کے دل میں حمہ کا حصہ اُبیل بیٹھا ہے۔ نفرت کا نام بھی نہیں رہا۔ کہیں کام کرتی ہو۔ مجرم نہ ملا کی تھا۔ سنتے ہی ردوں ہے۔ مجھنؤں اس کے پاس بیٹھ کر کھا بوران سنایا کرتی ہے۔ کوئی ایسی چیز پہکانا پاہتکی ہے جسے نر ملار غفت سے کھائے۔ نر ملا کو کبھی سہستاد سمجھ لیتی ہے تو خوش ہو جاتی ہے۔ اور بھی کوتوا پتے سکلے کا ہمار بنائے رہتی ہے اسی کی نیند جاگتی ہے۔ وہی بھی کاب اس کی زندگی کا سہارا ہے۔

رکنی نے ذرا دیر بعد کہا۔ بہر، تم اتنی نراس کیوں ہوتی ہو؟ بھگوان چاہیں گے تو تم دوچار روز میں اچھی ہو جاؤ گی۔ میرے ساتھ آج دید جی کے پاس چلو، بڑے جلاں میں گھر ملا۔ دید جی اب مجھے کسی دید حکیم کی دادا فائدہ نہ کرے گی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ بھی کوآپ کی گود میں چھوڑے جاتی ہوں۔ اگر صیتی جاگتی پچھے تو کسی اپنے گھر نے میں بیاہ دنیا میں اس کے لیے اپنی زندگی میں کچھ نہ کر سکی، صرف جنم دینے بھر کے لیے گنہگار ہوں۔ چاہے گنواری رکھتے پابے زہر دے سکر مار ڈالنے گا، مگر نااہل کے چلے نہ باندھے گا۔ اتنی ہی آپ سے میری سنتی ہے۔ میں نے آپ کی کچھ خدمت نہ کی اسکا مجھے ٹھاکری ہو رکھتے۔ بجھا ایکھاگن سے کسی کو سکون نہیں ملا۔ جس پر ساری بھی ڈپ گیا۔ وہ بالکل بتاہ ہو گا۔ اگر سو امی جی کبھی گھر آدیں تو ان سے کہئے ہو گا کہ بدلفیب کا فصور معاف کریں؟

رکنی رو تی ہوئی بولی۔ بہر نہ تھا را کوئی قصور نہیں۔ اپنور کی ساکھی دے کر کہتی ہوں کہ تھا ری طرف سے میرے دل میں ذرا بھی میل نہیں ہے۔ مان میں نے ہمیشہ تھا رے ساتھ برائی کی ہے۔ اس کا مجھے مرتبے دم بک رکھ رکھے گا۔

نر ملانے آزر دہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گما۔ دید جی جی! کہنے کی بات نہیں، مگر بنا کہے نہیں رہا جاتا۔ سو امی جی نے ہمیشہ مجھے بے اعتباری کی نظر سے دیکھا۔ مگر میں نے دل میں ان کی بے عزمی کا خیال کھی نہیں آنے دیا۔ جو ہونا سختا ہو تو ہو ہی جھکا۔ ادھرم گر کے اپنے پروک کیوں بگاڑتی؟ اس جنم میکارہ جانے کوں سے پاپ کئے گئے۔ جن کا بولی بدلا چکانا پڑا۔ اس جنم میں کانتے بیٹھتی تو کیا گت ہوتی؟

نر ملا کی سانس بڑی تیری سے ہلئے لگی۔ پھر پنگ پر لیٹ گئی اور بھی کی طرف ایسی نگاہ سے دیکھا جو اس کی ساری نندگی کی محیبت بھری داستان کی مفہوم تقدیر بھی۔ الفاظ ہیں اس کے اظہار کی نقدرت کہاں؟

تین روزگ نر ملا ک آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا رہا۔ وہ نہ کسی سے بولنی

تھی اور نہ کسی کی طرف دیکھتی تھی اور نہ کسی کی کچھ سنتی تھی۔ بس روئے جلی جاتی تھی! اس کی دلی تکلیف کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

چوتھے روز شام کے وقت یہ درد دکھ کی کہاں ختم ہو گئی۔ اسی وقت جب چرند پرندے اپنی اپنی جائے قبایم کو واپس ہو رہے تھے۔ نر لالا کا طائر دفعہ بھی نہام دن شکاریوں کی نشانہ بازیوں شکاری چڑبوں کے پیوں اور سوا کے تیر جھونکوں سے مفرط و مجرد دفعہ ہو کر اپنے بیسرے کی طرف اڑ گیا۔

محلہ کے لوگ جمیع ہو گئے ॥ ش باہر کھال گئی۔ کون داہ دھلانے کی رسم کر رہا ہے کہا، یہ سوال اٹھا۔ لوگ اسی فکر میں تھے کہ دفعہ، ایک بڈھاسافر ایک بچپہ لٹکائے رہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔

یہ خشی طوفانام تھا!